

آدھی رات کا سورج

”برائے فروخت۔ اعلیٰ پیدیگری کے ایسیشن تھے۔ خاص سچے پلے ہوئے معزز دھرانے میں پروپریہ۔ صوت کرنل سے بے پناہ پیار کرنے والے باذوقی حضرت رجع فرمائیں۔ قیامت پانچ سو روپے فی پلا۔ فون.....“

”بہت خوب..... میں نے جاہی لیتے ہوئے کروٹ بدالی۔ میری بیوی ابھی تک لحاف سے منڈھا پہنچے مورہی تھی۔“

”بیگم.....“ میں نے اخبار تکر کے اپنے لحاف پر کھ دیا کیا خیال ہے ایک دل ایسیشن پلاڑ خرید لیا جائے..... مگر میں ورنہ ہے گی۔“
”ہوں.....“ درون لحاف سرگوشی ہوئی۔

”میں کہہ رہا تھا ایک ایسیشن پلاڑ خرید لیں مگر میں ورنہ“
”پلاڑ؟“ بیگم نے اپنے سر سے لحاف آٹا رچ دیکا اور یوں اٹھ بیٹھی جیسے غروب آفتاب کے وقت نوازتی کا ورنہ ذریکولا اپنے تابوت میں سے اٹھ بیٹھتا ہے۔ بیگم کی انگلیں سرخ ہو

ہی تھیں۔ اس کال کو مفترضی میں میرے جہیز کا سامان تو پر انہیں آتا پلا کہاں رکھو گے؟
میخچے سپرھیوں میں باندھ دیں گے۔

”مفترضہ ہر روز بیشہ بیل کے لبب آنار کر لے جاتی ہے پلا کہاں چوٹے گی؟“
”یہ تو ہے۔“ میں نے فرما۔ ہیمارڈاں دیتے۔ ”بہر حال اپنا مکان بتائیں گے نا تو پھر
لے آئیں گے۔“

”اپنا مکان.....؟“ بیگم نے اپنے بھاری پوٹے یاں جپاک سے اور پڑھا دیئے جیسے
اُن میں گیس بھر گئی ہو۔ خاک اپنا مکان تین سال ہونے کو ہیں اپنی شادی کو اور رتب سے
محکم ہوئے کر کے میں قید کر رکھا ہے۔ سیاد سکتے ہات پی ہو رہی تھی تو تھارے گھروالوں
نے کہا تھا کہ بس آپ کی بیٹی کی ڈولی تو ہم اسے نشہ گھر میں اُترے گی.....؟“
”بھٹی وہ کاروباری حالات.....؟“ خواہ مخواہ پلے کا ذکر چھپر کے بالے میں ٹال لی تھی۔
”یکن تھارے گھروالوں نے.....؟“

”دیکھو نا بیگم“ میں نے قد رے نرمی سے کہا۔ ”بات پتی کرتے وقت فریقین کے دریاں
جوبند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں وہ درست ہوں تو پھر ان کی رُو سے ہر رہا کی کھنچ
میں ایک عدد شہزادہ آتے اور ہر رہا کا کوہ تھافت کی پڑی سے شادی رچاتے ۔۔۔۔۔“
”کیا ہے جی میری شکل و صورت کو.....؟“ بیگم کو جیسے پھر نے کاش دیا ہو۔
میں نے جواب دینا مناسب نہ جانا اور بڑی ڈھنائی سے اخبار پھرا پنے آگئے
چیلاؤ کر لئے فر دخت کے اشتہاروں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

”بانگوڑہ مز۔ اے ون کنڈیش.....؟“ موسيقی کے شائقین کے لیے نادر موقع ۔۔۔۔۔
جدید طرز کا ذوق تعمیر کردہ گھر۔ ون بیدردم، مُختبا تھر دمز.....؟ چار گیراج ۔۔۔۔۔
میٹھا پسٹل کے نزدیک ۔۔۔۔۔

”میٹھا پسٹل؟“ میں نے کن انھیں سے بیگم کی جانب نگاہ کی۔ وہ پھر اونگہ رہی تھی۔
آج تو اور تھا اور میں حسپ عادت پچھلے کئی برسوں کی مدعیین پر بڑی باقاعدگی سے
عمل کر رہا تھا۔ اُنی۔۔۔۔۔ بی۔۔۔۔۔ ایم کے کسی کمپیوٹر کی ماند اوار کو میرا ہر عمل بے حد پاٹلا ہوتا میری

تفتریخ کا داداردن۔ سچ سات بجھاٹھ کر فلیٹ کی پوری بادوں سیرہ حیاں اُتکریںچے ڈیڑھی میں سے اخبار لایا اور پھر پسترمیں لیٹ کر سب سے پہلے برائے فروخت "کا کالم پڑھتا، اس کے بعد علمی اشتاروں کا صفحہ اور پھر چھوٹی چھوٹی خبریں۔ ایڈیشنریل چونکہ ایک ہر صفحہ میں خوش آمدیداً و ریٹریٹ مقدم کرنے کے لیے مخصوص ہیں اس لیے آجکل برائے فروخت اور علمی اشتاروں کا صفحہ ہی پہلے اخبار میں اور سجنل ہوتے ہیں۔ اخبار کی ودق گردانی کے بعد ناشتے کے لیے بیگم کی منیں۔ پھر کافی کی چسکیوں کے ساتھ اخبار کے سند سے ایڈیشن کا بغیر مطالعہ کر شاید اپنا بھی کہیں ذکر ہو جائی اور رُوحانی غذا کے چٹا رے کے بعد نشانے سلموق کو حسب معمول چڑیا گھر دکھانا اور پڑیا گھر میں حسب معمول بیگم کے طعنے سنتا کہ بھار سکھر سے تو ان موسمے بن مالسلیں کے نئے تعمیر کردہ پچسرے ہی بہتر ہیں۔ اب بیگم کو کون سمجھائے کہ بن مالسلیں میں شادی کا رواج نہیں ہوتا۔ بہر حال چڑیا گھر کی سیرے کے بعد بیگم کو ڈسپ کرنا اور رُخ دانی ایسی لئے کی جانب کرنا جاں کسی اولیٰ محفل میں شامل ہو کر خوش ساخت القابی حضرات کی تقاریر ہوتا۔ یہ مقام میری چھٹی کے اکتوبر نے دن قوار کا کمپیوٹر انڈھہ مہرفت۔

"برائے فروخت" کا کالم ختم ہوتا تو میں دوسرے صفحے پر علمی اشتاروں سے آنکھیں سیکھنے لگا۔ "یہ پاگل پاگل دنیا" میں نے پھر بیگم کی جانب نگاہ کی جو اب اونچنے کی جائے مزکور ہے گہری نیند سو رہی تھی۔

تیرے صفحہ پر آج لاہور میں "کا کالم ملتا۔ انہیں فلاح و بہبود رحمان گی کاماءت آجلas۔ اندر کان میں لا ادارت پھرل کی امداد کے لیے پھر پیشی ہال حلقة اربابِ ذوق کا جلاس..... وغیرہ۔" آج لاہور میں شکرے سلیم مخفقر خبروں کا بھی ایک کالم ملتا۔ "کمال دین ریلے مزدور کو شید میں شراب کے نئے میں فل عپاڑہ مچاتے ہوئے گرفتار"۔

کراچی جمناز کے سالانہ ڈر میں کمشنز جناب فلال نے پاکستان کی سلامتی کا جام جوائز کرتے ہوئے کہا....."

دگو المنشدی میں تین ہجتے بازدھ ریلے گئے۔ ہجتے کی رقم مبلغ سات روپے تیس پیسے برآمد....."

یہیز کلب میں تھبلا..... پھلا الفام دوہنرا رفپے.....

اور آخر میں کھٹنڈ و نیپال، اکل ایک مسافر بوس جب ہلی سے بہاں پہنچی تو انہی شت پر ایک تو سے سالہ فرانسیسی سیاح مردہ حالت میں پایا گیا۔ حکومت نے سیاح کے سفری کاغذات میں سے برآمد ہونے والی وصیت کے مطابق اُس کی لاش والیں فرانس بھیجنے کی بجائے نیپال میں ہی دفن کر دی ہے۔ ریشنے کلاڈ ماہر تعمیرات تھا۔

”ریشنے کلاڈ؟ میں نے اخبار اپنے چہرے سے نیچا کیا۔ میری نظر وہ کے سامنے نہ آئے کے پتھے فریم کی عینک لگائے، رعشہ زدہ ہاتھوں میں کمیرہ مختامے، ایک ٹانگ سے قد سے لگڑتا ہوا ایک سمر سیدہ بڑھا کر ڈالا۔ اپنے نقلی دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ ”میرا نام ریشنے کلاڈ ہے۔“

چند ماہ پیشتر میرا چھوٹا بھائی مبشر کابل گیا۔ لاہور والپی پر جہاں وہ کوہ ہندوکش کی ہیئت ناک خوبصورتی اور اغافی پوتینوں کا ذکر کرتا وہاں اپنے فرانسیسی دوست کا تذکرہ بھی بڑی عقیدت سے کرتا۔ ”بھائی جان وہ میرا دوست نہ بتا تو میں کابل کی تاریخی اہمیت اور وہاں کے عجائب گھر میں رکھنے ہوئے ذرا ہلوکی اہمیت سے کبھی آگاہ نہ ہوتا ہے تو بڑی بده قسم کی شے گرد بچپ سخیت ہے۔ تچھلے دو ماہ کابل میں مقیم ہے بچ سات لوہے کے بڑے بڑے ٹرنک سامنے لیے چرتا ہے۔ ایک میں تاریخ کی کتابیں۔ دوسرے میں کمیرے اور نقشے۔ تیسرا میں مختلف ملکوں سے خردی سے ہوئے تجھے اور پرانی لمحتوں..... پچھلے دو سال سے سیاحت پر نکلا ہوئے، ہزار یخی شریں میں میں نوں پڑا رہتا ہے کہتا تھا جس روز بھی کابل کے بازاوں میں چہرے جانے پہچانے لگنے لگے اُسی روز بولیا بست پیٹ کر پاکستان کی راہ لیں گا کہتا خدا کر لاہور آؤں گا تو تم سے ملوں گا۔ میں نے اُسے دکان کا فون نمبر دے دیا تھا۔“

اور پھر مبشر کو پاک فوج میں کھیشن مل گیا اور وہ اپنی ٹریننگ کے لیے کا کول چلا گیا۔ میں حسبِ محول سارا دن کان پر بیٹھ کر گاہوں کو موسمی سبزیوں اور پھولوں کے بیچوں کے بالے سے میں رٹے رٹائے جملے دہرا کر دزی کھاتا۔ شام کو گھروالپیں اگر شیویویں دیکھتا اور

سورتھا۔ بیچ میں ایک توار بھی آ جاتا۔ شندے سے ایڈیشن کا سطالہ۔ نتھے کو چڑیا گھر دکھانا و نیزو
یعنی میں ایک بھل نارمل پاکستانی..... شادا دی شدہ پاکستانی کی زندگی بس کرتا رہا۔ شاید فقط
خوش و خرم اسی قسم کی زندگی کے ساتھ تحقی کیا جاتا ہے۔ پھر ایک روز جب میں دکان پر
بیٹھا پائی، بجلی اور ٹیلیفون، سوتی لگیں، پرفیشنل ٹیکس وغیرہ کے متعدد بل سامنے رکھے
سوچ دما تھا کہ اس مرتبہ مشتری پاکستان کی مارکٹ ختم ہو جانے سے اتنے سائے بل کیے ادا
کروں گا کہ فون کی گھنٹی بھجی۔

”اہ! جی..... کون لے؟“ میں نے چونگے میں وحیج کر دیا افت کیا۔ گر المندی کے علاقے
میں فون پر جیج کربات نہ کی جائے تو آپ کی آواز پر چمنے سے میوہ سے اٹھا قی پاؤں گائیں
کے ڈکر لئے کی آواز حادی ہو جاتی ہے۔ پھینپتے پر یہ شور بیک گراونڈ میوزک میں بدل جاتا
ہے۔

”اکرا..... مے ائی سپیک تو مر باشیر پلینز!“ اُدھر سے فرنیسی لمحے کی انگریزی پیدا ہوئی۔
”مر باشیر اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں لاہور سے باہر گیا ہوا ہے۔ کون بل رہا ہے؟“
”میرانام رین کلاڈ ہے اور میں مبشر کا ودست ہوں۔ ہم دونوں کابل میں مقعہ
کیا وہ دو ایک روز تک لاہور والیں آ جائے گا۔“

میں کلاڈ؟ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر یاد کرتے کی کوشش کی۔ آہا! دیہی
پڑھشم کی شے..... مجھے یاد آگیا۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ تواب اپنی ٹریننگ مکمل
کرنے کے بعد ہی لاہور والیں آئے گا..... تقریباً ایک سال بعد.....“

”اوہ.....!“ لمحے میں شدید مایوسی تھی۔ ”تمہینک یو ایڈ.....“

”دیکھئے؟ میں نے جلدی سے کہا۔“ میں اُس کا ٹراجمانی ہوں، شاید آپ کسی وقت
نجھ سے ملنا پسند کریں؟“

”صروف..... صروف۔ میں آج لاہور کا عجائب گھر دیکھنے جا رہا ہوں۔ اگر آپ دو ہر کو
وہاں آ جائیں تو ہم اکٹھے عجائب گھر دیکھ لیں گے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ عجائب گھر کے پہلو
میں ”کم“ نام کا ایک کافی بار ہے۔ میں وہیں بیٹھیں کہ آپ کا انتظار کروں گا..... خدا حافظ!“

وقت مقررہ پر جب میں کم کافی بار میں داخل تھا تو نیم تاریک کافی بار کے لیے کافی کرنے لیں دشیں
کلئے اُف آٹس کا ایک جوڑا سر جوڑ سے آڈٹ کے بارے میں گنگوہ نہیں کر سکے تھے۔ دوسرے
کرنے میں ایک بگلامیز پرچیلے ہوتے لامہ کے نقشے پر جھکتا تھا۔ ”یہی ہو سکتا ہے، میں
نے سوچا۔

”میں کاڈ؟“ میں نے قریب جا کر بیکھر سے کہا۔

اس نے بڑے آدم سے نقشہ پیش کیا، اپنی آنکھوں پر چکپی تابنے کے فریم کی عینک درست
کی اور سر طالی دیا۔

”میں بشر کا بھائی ہوں“ میں نے نہایت انحرافی سے کہا۔

”اوہ، ہیلے ہیلے“ اس نے اپنا کانپنا ہوا تھا اگے کرویا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

”پلیز آپ بیٹھئے.....“ میں نے اس سے باٹھ ملاتے ہوئے کہا اور اس کے سامنے
والی گرسی پر بیٹھ گیا۔ واقعی خاصی پڑھ قسم کی شے تھی۔ سفید بال، جھریلوں سے بھر پور چہرہ،
رعشہ نہ رہا تھا، چیک شرط اور گرے پتوں میں بلوس دہ سیاح کی سجائی تھی م روئے دفن
کرنے والی کسی یہودی کمپنی کاڈاڑی بیٹھ گتا تھا۔

”کم“ کا سابقہ ایسٹ پاکستانی، حال مسلم نگالی اور اُنے والی کل کا بنگلہ دیشی و پیریہ سے
سر بر کھڑا اڑوڑ کا انتظار کر رہا تھا۔

”آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟“ میں نے بینے سے دریافت کیا۔

”حليم اور نان“

”حليم.....؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اُل ہاں میں تو جب سے لاہور آیا ہوں۔“ موزاد اکشیش کے سامنے زمین پر بیٹھ کر
حليم اور نان کھاتا ہوں۔ نہایت اور بخوبی ڈش ہے۔ بے حد مزیدار.....“ اس نے چھکا کے
لیتھے ہوئے بتایا۔

ظاہر ہے ایسا جدید کافی بار اپنے میزو پر حليم جیسی دلیسی شے درج کر کے اپنا ابیح تذراں
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے مخدوری ظاہر کی۔ حليم تو شاید یہاں نہ مل سکے.....

بُرگ کے بالے میں کیا خیال ہے؟“

”بُرگ تو میں پچھلے ذر سے سال سے کارہا ہوں ۔ وہ منکھوں کر خوش بول سے ہنس دیا۔
دانستوں کی تبیسی بھی نقلی حقیتی ۔ بیر حال ایک اور سی“
میں نے اپنے یہے کلب سینڈ فوج کا آرڈر دیا۔

”آپ کو پاکستان پسند آیا؟“ میں نے گفتگو شروع کرنے کی غرض سے پوچھا۔
”مجھے بھی ہک پسند ہیں.....“ اُس نے عینک درست کرتے ہوئے کہا۔ ”پاکستان
بھی پسند ہے“

عجب بولڑھا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں دکان پر ہی بیٹھا رہتا۔ دوچار روپیک
سیل تو ہو رہی جاتی۔

لاہور میں آپ نے کیا کیا دیکھا؟“ میں نے دوبارہ ہمت کی۔

”کل؟“ اس نے اپنا بچھا سر کھجایا ۔ صبح تو شالیمار گیا اور وہاں تصویریں بنائیں۔ پچھلے
پروال پس ہوٹل میں آ کر لاہور کے بالے میں تاریخ کی ایک کتاب پڑھتا رہا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اب تک صرف شالیمار باغ دیکھا ہے؟“

”نہیں.....“ اس نے میر پر رکھا کاثا اٹھا کر اپنی گردن کے بالوں میں پھیرتے ہوئے
کہا۔ ”اس سے پہلی بارے تین دن میں نے اندر وہن شرکٹری کے منقش دروازوں کے
نقش و نگار کے لیکھ بنانے میں صرف کئے۔ پرانے شہر میں واقع اکثر مکاؤں کی باکر نیاں اور
دروانے سے صنائی کے بہترین شاہکار ہیں.....“

”گویا آپ کو تاریخی عمارت سے بیجد و لچپی ہے؟“ میں نے پاٹ لمحے میں پوچھا۔

”عمارتوں میں میری لچپی قدرتی ہے۔“ اس نے اپنا بچھا سر بلاتے ہوئے کہا یا شایدیں
نے نوٹ نہ کیا ہو۔ اُس کا سر عشه کی وجہ سے دیے ہی ہل رہا تھا۔ ”ریٹائر ہونے سے قبل....اوڑ
یہ بھی تقویاتیں برس پھٹکی بات ہے۔“ اس نے سلسہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں
پیرس میں ماہر تعمیرات کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ ہمارے ہاں کے جدید معابرے میں یہ
دن بھی میکانی ساہہ گیا ہے.....“ ۶۰ دھر فاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں و درمرے کرنے

میں بیٹھنے نیشنل کالج آف آرٹس کے جوڑے پر لگی تھیں۔ ان کے سرخترناک حلہ تک ایک ہرے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ مجھے تو بتایا گیا تھا کہ مشرق میں کوئٹھ شپ کا رواج نہیں۔ اس نے زیریں مکمل تر ہوتے پوچھا۔

”طالب علم ہیں.....“ میں نے ٹھوڑی کھجرا کر جلدی سے کہا۔ شاید متذکر طلب ہے لفڑی سہرہ ہی ہو، بہن بھائی بھی تو ہو سکتے ہیں۔ بہرحال ریٹائر ہونے کے بعد آپ کا یہاں شغل رہا؟“

”ہاں.....“ اس کا سر لیعنیا خود بخود ہل رہا تھا۔ ریٹائر ہو کر کچھ عرصہ تو میں پرس میں اپنے فلیٹ میں مقیم رہا اور پھر میری بیٹی..... میری اکتوبری بیٹی مجھے گرد و فبل سے لگتی جہاں وہ اور اس کا خادم مقامی یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں۔ پانچ سال چونک میں ان کے ہاں رہا اور پھر ایک روز دُنگ کے بعد اس نے مجھے ہنایت اعلیٰ قسم کی کوئی ایک لاگاس اتحاد میں تھامیا اور بولی۔ قلبی بچھوپ عرصہ سے مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ ہم دونوں اپنی بے پناہ صرف وفیات کی بناء پر آپ کا اتنا خیال نہیں رکھ رہے ہے جتنا عمر کے اس حصے میں رکھنا چاہیے۔ یہاں سے صرف پچاس میل کے فاصلے پر ایک اولاد پیلی ہوم ہے۔ ہنایت ہی آرامہ اور رفنا۔ وہاں آپ کی عمر کے اور بہت سارے دلچسپ لوگ ہوں گے اور پھر وہاں کا شافت آپ کی دیکھ بھال ہنایت مناسب طریقے سے کرے گا۔ کیا خیال ہے ڈیٹی؟“ مجھے معلوم تھا، وہ مجھ سے چشکارا حاصل کرنا چاہتی ہے، اس کی بڑی لڑکی اب جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہی تھی اور اسے گھر میں ایک علیحدہ کرے کی ضرورت تھی..... وہی ایک فالتوں کرو جس میں میں مقیر تھا۔ میں آپ کو بور تر نہیں کر رہا؟“

”بھی!“ میں نے چونک کر کہا۔ دراصل میں دوسرا کوئے نہیں میں بیٹھ جوڑے کی حراثت میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ بھی نہیں۔ بالکل نہیں۔.....“

”اولاد پیپل ہوم میں مجھے زندگی کی تمام سو لینیں میسر تھیں۔ شیلی شینگ پیگ پاگ لائبریری، وقت مقررہ پر ناشتا، لیخ اور ڈنر۔ زندگی ندی پر مچلی کا شکار کرنے کے لیے ایک خوبصورت کالج..... بیکن وہاں کا احوال.....“ رینے کلادنے میز پر سے پانی لاگاس

انھاکر ایک گھنٹہ بھرا اور سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔ اپنے تو شید کبھی کسی اولڈ پیپل ہوم میں نہیں لگے ہوئے۔ صاف ستری اور خوبصورت عمارت، جہاں میری طرح کے سینکڑوں بڑھے زندگی کے آخری ایام کا شہنشاہ کے لیے کچھ آجاتے ہیں اور اکثر بیچھے دیتے جاتے ہیں۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہم سب مرچکے ہیں اور وہ عمارت ہمارا مشترکہ تابوت ہے۔ ہر دن یہاں بعد سہیم میں سے کوئی ایک اس مشترکہ تابوت سے نکل کر اپنے ذاتی تابوت میں جا لیتا۔۔۔ اور جب تک ہم رات کے کھلانے کے بعد آتشدان کے سامنے بیٹھ کر مر جوہم کے خصائص کا ذکر کرتے اتنے عرصہ میں کوئی اور ملک عدم کی راہ لیتا۔۔۔ اور یہ سلسہ یونہی جاری رہتا۔۔۔ اولڈ پیپل ہوم میں قیام کی طوالت بزرگی کی علامت بھی۔ کوئی نیا نگرست آنا تو یہی تعارف ہوتا۔۔۔ فی اپ میں سال۔۔۔ مشیل۔۔۔ تیرو سال۔۔۔ کلاڈ۔۔۔ انٹھارہ سال۔۔۔ میری بیٹھی متروکہ شروع میں تو ہر ماہ بھھیٹھے آجائی گمراہستہ آہستہ آہستہ یہ وقفہ پھیلتا گیا اور پھر آخر میں یہ ملاقات کر سکس کا رذہ تک محدود ہو گر رہ گئی۔۔۔ اس تابوت میں بیس برس زندگی گزارنے کے بعد میں نے ایک روز وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ یہ ریخے کلاڈ کے چرے پر ایک شہزادت آمیر مسکن کیلیں رہی بھی یہیں نے ہوم کی لاتبر پری میں سے دنیا بھر کے نقشے اور سفر نامے کھنکاں فالے اور اس طرح اپنے سفر کے روٹ کا تعین کیا۔۔۔ پیریں میں میرا غلبیت عرصہ سے خالی ڈا تھا میں نے اس سفر وخت کیا اور پھر وہاں سے بھاگ نکلا۔۔۔

اتنی دیر میں دیپرہما را آرڈسے آیا۔۔۔ بینے کلاڈ پر گر کو چھپری سے کامنے لگا تو ہاتھوں میں رعشه کی وجہ سے اس کی چھپری بار بار سخت قیمے پر سے پھسل جاتی یہ دلایا یئے ہیں،۔۔۔ میں نے ہاتھ آنکے بڑھایا۔۔۔ کی فک قیمے میں چھپو کر اسے کاٹ لیا۔۔۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟۔۔۔ اُس نے کا نہیتے ہوئے ہاتھوں سے آلو کا ایک قندہ منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔۔۔

”جی!“ میں نے بوكھلا کر کہا۔۔۔ دراصل نیشنل کالج آف آرٹس کے اُس رکے نے ادھر ادھر دیکھ کر رذکی کو چشم لیا تھا۔۔۔ اور ہاں اُپ وہاں سے بھاگ نکلے۔۔۔

”ہاں!“ اُس نشہہارت کی اٹھگی اور پرانا ٹھاکر کہا۔۔۔ میں نے پیریں میں اپنا نلیٹ فروخت کیا اور اپنی بیٹھی کو اطلاع دیتے بغیر وہاں سے بھاگ نکلا۔۔۔۔ میرا خیال ہے

میں بہت زیادہ باتیں کر رہا ہوں ۔“ وہ ایک دم شرمند ہے ہرگی ۔“ آپ نے اپنے بائے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں؟ ”

میں نے اپنے بائے میں اُسے بتایا ۔ سیراچھنا سا کاروبار ہے ۔ صبح دکان، شام ٹیلیوژن اور لوار کو چڑھا گھر.....؟ ”

“ چڑھا گھر؟ ” رینے کلاڈنے کا نشانیز پر کھو کر ہنسنا شروع کر دیا ۔“ بہت خوب چڑھا گھر بھی دلچسپ تجھے ہے مجھے یاد ہے کہ ایتھر نے کچھ چڑھا گھر.....؟ ”
“ آپ کو سیاحت پر نکلے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟ ” میں نے اس کی بات کلٹتے ہوئے دریافت کیا ۔

“ دو سال..... ایک ماہ اور آج کیا تاریخ ہے گیارہ بیس بائیس دن ” اس نے فرائج اب دیا ۔

“ ان دو سالوں میں آپ صرف پیرس سے لاہور تک ہی پہنچے ہیں؟ ”
“ میرے منصوبے کے تحت مجھے اس وقت ہرات میں ہونا چاہیے تھا اگر قاتلان میں آج کل سیالب آئے ہوئے ہیں اس لیے میں دو ماہ پیشتر ہی لاہور پہنچ گیا ۔ ”
“ آپ پیدیل سفر کرتے ہیں کیا؟ ” میں نے ہاتھ کر لپچا ۔ دو اصل وہ سامنے دلے کرنے میں بیٹھا ہوا جوڑا اب کافی بائے باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا ۔

“ نہیں نہیں ” اُس نے خوش دلی سے کہا ۔“ میں بس ہاریل گاؤں کے ذریعے سفر کرنا ہوں ۔ ایران کے البرز سلسہ کوہ میں میں نے خروں پر بھی سفر کیا ۔ میرے سامان میں سات سوٹ کیسیں ہیں ۔ جھلامیں پیدیل کیسی سفر کر سکتا ہوں؟ ”

“ تو پھر دو سال میں پیرس سے لاہور کی کتنی تاریخی بحث ہے؟ ”
“ دو اصل مجھے اگر کوئی شہر یا قصبہ پسند آجائے تو میں دہان و دچار روز کی بجائے دوچار رہا ۔ تک پڑا رہتا ہوں پیرس والا فلیٹ بھی تو خاصے ہیں ۔ دہان فروخت ہوتا ۔ اور پھر میں خود نہیں چاہتا کہ میرا سفر مکمل ہو جائے میں پیدی دنیا دیکھ لوں اور پھر بھی زندہ رہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں ہر دن تو میری آنکھیں کسی اجنبي سر زمین کے لہلہاتے

ہوئے سینز کھیتیں پر لگی ہوں..... میری آخری سانسوں میں انجانی فضاؤں کی مہک چی
ہو..... بجائے اس کے کہیں اپنا سفر مکمل کر کے ایک مرتبہ پھر اُس تابوت اُس اولاد پیل
ہو ہم بیس دالپس چلا جاؤں جہاں مرتے وقت تمام بوڑھوں کی آنکھیں آتشدان میں سُنگتی آؤں
پر پھرا تی ہیں اور جن کی آخری سانسیں کو سنترل ہائینگ کی گھٹٹن پخوار دیتی ہے..... میں
داتی زیادہ باقیں کر رہا ہوں مگر میرے پاس وقت بھی تو کم ہے.....
کھانے کا بل آیا تو میں نے زبردستی ادا کر دیا۔

”نهیں نہیں یہیں آپ پر بوجہ نہیں بننا چاہتا“ دریتے کلاڈنے دبے لفظوں میں حاجج کیا۔
”آپ کے دوست کا بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے یہیں آپ کا بزرگ شہر تاہم“
میں نے مہنس کر کہا ”بل کی ادائیگی میرا خلافی فرض تھا“

”محبی مشرق کی انہی روایات سے پیا ہے؟“ اس نے صوف پر کمی چھڑی اٹھائی نقش
سیمٹ کر کیروں دالے تھیں میں ڈالا اور اس تھک کھڑا ہوا۔ میرا خیال ہے اب عجائب گھر دیکھا
جائے ۔“ وہ قدر سے لفڑا کر چلتا تھا۔ کم مکافی ہار کے پُرسکون ماحل سے باہر آئے تو لاہور کی
مال پر کاریں، رکشا، ٹیکیاں موت ہاتھیوں کی طرح چلتکھڑا تھے پچھے جا رہے تھے۔ میرے
ہن کو جھٹکا سالگا۔ میں نے لمحٹ خردی سے اور ہم عجائب گھر کے اندر چلے گئے۔

”اے“ اس نے اندر داخل ہوتے ہی یا میں ہاتھ پر رکھے منقش دروازے کی جانب
چھڑی سے اشارہ کیا۔ پرسوں میں نے اسی قسم کے سینکڑوں دروازوں کے شہر میں دیکھے۔
تمہیں اپنے پورے قدیم شہر کو عجائب گھر فراشے دینا چاہیے۔“

وہ ہر مجھے کے سامنے کھڑا ہو کر یہیں ساکت ہو جاتا جیسے پتھر کا ہو۔ صرف اس کے
لب ہلتے رہتے۔ ”خوبصورت پُرسکون حیرت انگریز وہ بڑا نا اگرچہ
یہ بھی آج پہلی مرتبہ عجائب گھر دیکھنے آیا تھا مگر مجھے پتھر کے ان تدووں اور ٹوٹے پھوٹے
درداروں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ عجائب گھر میں بے شمار رذکیاں بھی تو تھیں۔“

”چکلے پر جب ہم دونوں عجائب گھر سے باہر نکلے تو لاہور کی تپتی دو پر راجہی ننک
پائے جوں پر تھی۔ ہم باعینچکے قریب سے گزرے تو ریتے کلاڈ ایک پھولدار بل کے

پاس کھڑا ہو گیا۔ میں نے یہ سترخ پھول مرکو میں بھی دیکھے تھے۔۔۔ میں پاکستان میں کیا کہتے ہیں؟ ”
”پتہ نہیں“ میں شرمندہ سا ہو گیا۔ حالانکہ میں خود پہنچوں کے بیجون کا کاروبار کرتا تھا۔
صرف کاروبار۔
”وہ کم از کم دس منٹ اُس چھلدار بیل کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔ اگرچہ دہان کوٹاکے کی
دھونپ پڑ رہی تھی۔

”اس خبیثی بذریعے کو ضرور سی شرک ہو جائے گا“ میں نے سوچا۔
عجاشب گھر کے کپاڈنڈ سے باہر آگر میں نے اُس سے اجازت چاہئی۔ مجھے والپیں دکان
پر جانا ہے۔۔۔ کاروبار! مجھے بیداغوں ہے۔۔۔

”مجھے بیجد خوشی ہوتی۔۔۔ مہربانی بہت مہربانی۔۔۔ میں بھی اب والپیں ہو ٹھل
جا کر مویشی میزوں گا۔۔۔ پاکستانی مویشی! اس نے اپنا رزتا ہوا ہاتھ آگے کر دیا۔
میں ہاتھ لٹا کر جانے کو تھا کہ اُس نے مجھ بدوک لیا۔ ایک منٹ“ اس نے یتھے میں سے
کیرہ نکالا اور انکھ سے لٹا کر بین دیا۔۔۔ شکریہ! آپ کی تصویر۔۔۔ بلور یادگا۔۔۔
میں آپ کے لیے کوئی ٹھیکی روکے دیتا ہوں۔۔۔ مجھے اُس کے بڑھاپے اور ہٹھل تک کے
ناصلے کا خیال آگیا۔

”نہیں نہیں“ جس کا تھوک سرزد سے ہلا۔۔۔ میں بس میں سفر کرنا پسند کرتا ہوں یہی طرح
مجھے لوگ ملتے ہیں۔۔۔ مہربان اور خوشگوار قسم کے لوگ۔۔۔
ٹونٹن ماڑکت کے قریب مجھے ایک ٹھیکی ہل گئی۔۔۔ وور میں اس میں سورا ہو گیا۔۔۔ چوک گرالٹنڈی۔
ڈرائیور نے منز بنا دیا مگر وہ اس سے پیشتر میٹھ چاچا چھاٹھیکی شاٹ ہوئی تو میں نے
چیچھے مڑکر دیکھا۔۔۔ رینے کا ڈاچچا لاقی دھونپ میں یونیورسٹی کے بس شاپ پر کھڑا ایک خدا پنج
والکے سے گندہ بیان ہزیور رہا تھا۔۔۔ گندہ بیان لیتے وقت اُس کے ہاتھ کا نپ سے ہے تھے۔۔۔
پیدھ قسم کی شے۔۔۔

اور آج ٹھیک چار ماہ بعد تو اکی صبح سندھے ایڈیشن میں اسیشن پلوں باہنگوڑ مزاد

جدید بگوں کے درمیان نیپال میں اس کی مرت کی خبر جھپی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مرتے وقت اس کی آنکھیں اُس اجنبی سر زمین کے لمبائتے ہوئے سبز کھیتوں پر لگی ہوں گی۔ اُس کی آخری سالتوں میں ان جانی فضاؤں کی مک رج تھی ہوگی..... اُس اولد پیپل ہوم سے ہزاروں میل و درجہاں اُس دقت اس کے ہم عمر بڑھے اُشناں کے سامنے بیٹھے ایک درستے گو گھوڑتے ہوں گے۔

مرت کے انتظار میں اولد پیپل ہوم، جہاں سے وہ ایک شراری تھی کی ماں د بھاگ نکلا تھا۔ وہ اپنی مرت کا انتظار کرنے کی بجائے اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی صیانت کے مطابق اُسے نیپال کی کسی وادی میں دفن کر دیا گیا تھا۔ حکومت نے اس کے سات مرٹ کیسیں جن میں سے ایک میں کسی کو نہ کھڈے ہیں اس کے پاکستانی درستے بھائی کی تصویر پڑی ہو گئی۔ شکر! اُپ کی تصویر بطور یادگار "فرانسیسی سفارت خانے کے حوالے کردیتے ہوں گے اس کے پورے پھر رہا۔ میں اس کی بیٹھی کے حوالے کر دیتے جائیں گے جو انہیں ناکامہ جانی کر پریں کے نہ سے بانارفلی ماکٹ میں پیچ ڈالے گی۔ نیپال کی وادی میں اس کا جسم مٹی میں ایک انجانے دیں۔ میں بھی اس پریں کی غلی ماکٹ میں اس کے سلان میں شامل اشیاء آہستہ آہستہ بختی جانشی میں اور چلا جائے گا۔ پریں کی غلی ماکٹ میں کھوشے گا۔ سینے کا ڈ جنوار کے آدمی رات لیں رہنے کا ڈ زینہ ہو کر اپنا د جو داس و صرفی میں کھوشے گا۔ سینے کا ڈ جنوار کے آدمی رات کے سوچ کے مانند تھا۔ ایک لیسا د عشرہ زدہ سوچ جس میں حضرت قربانے نام تھی گو جو اپنی زندگی میں زندگی کو شش میں افق کے سامنے رکھنے لگا۔ یہاں تک کہ یہی سیکھے ایک بیٹھی میں اس کی مٹی میں اتر گیا۔

"میں نے کہا آج نئے کوچ بانگھنیں لے جانا کیا؟" بیگنے لمحات میں سے سرخکال کر کہا۔

"ہاں کیں نہیں؟" میں نے خبار نہ کر کے نکھل دیا۔

سینے کا ڈ خوش قمرت تھا جو ایک شتر کرتا بولت میں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس خود بھی تو ایک عظیم تابوت میں دفن ہوں۔ بچھے بھی اولد پیپل ہوم کی طرح زندگی کی تمام سرگزینیں پیسر میں بھجی کے ہیڑ پیلیوں، فرم بتر۔ تیس کیفیتیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ ہم یہاں صرف مرنے کے لیے آتے ہیں۔ مرٹ کے انتظار میں۔ اس باعول میں میرا وہ گھٹا چارہ ہے۔ میں بھی بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ بچے اپنی مرت۔ اپنے ذاتی تابوت کی تلاش میں جانا ہے۔ میرے اس عظیم تابوت میں بھی بزرگی کا میرا قیام کی طلاق پر مخصر ہے۔ میرا تعارف مستنصر حسین تارٹ۔ تین تیس سال.....

سیاہ انکھ میں تصویر

لارنڈ کی لاش کئی روز تک مقدس پہاڑی کی چٹی پر گردی صدیبے چھلتی رہی۔

انکھل نے اُسے صدیب پر میخون سے گاڑنے کی بجائے ایک رستہ لکھا کر پھانسی دی تھی۔ میخیں منگی ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ گاڑی جائیں تو آسانی سے اکھڑتی ہیں، صنانچ ہو جاتی ہیں۔ رستہ بستا ہوتا ہے۔ پھانسی دینے کے لیے کوئی اور مجرم نہ ملے تو اس کے ساتھ ڈول باندھ کر کرنے میں سے پانی نکالا جاسکتا ہے۔
اُس کی مردہ انکھیں کھلی تھیں۔

گورن ایک اسے زاویہ پر ڈھنکی ہوتی تھی کہ دوسرے لگتا تھا جیسے وہ ہنسنے ہنسنے ایک دم تر چاہر کر ساکت ہو گیا ہو..... جیسے کسی درجہ ڈاکٹر نے چیتھر دن سے بننے ہوئے گلے کوستے سے باندھ کر لٹکا دیا ہو..... اور وہ بے اختیار جوتا ہے۔
اُس کی مردہ انکھیں کھلی تھیں۔

حاء بدو شوں کے غاروں کے دہانے ششدہ، یہت زندہ کھل دئے جیسے اپیل کے قتل

پر پہاڑ کا منہ کھل گیا تھا، زبان باہر لکھ گئی تھی پس نگاخ سینے میں سے آنسو وال ہو گئے تھے۔
قدس پہاڑی کے دام میں البسین کا مورش محلہ صوب میں سفید ہورہا تھا قدموں
میں دریا تھے حدرہ کے پانی تھے۔ سامنے جل سبیقہ پر صرف پتھر کا معجزہ، تصریح امراء مگر میں چند
را تھا..... مگر لارزو ان سبب لائلن ترددہ آنکھیں کھولے جھوٹا رہا۔
لارزو کی لاش کئی روز تک مقتنی پہاڑی کی چٹی پر گڑی صدیبے جھوٹی رہی۔

شارع چاپنیر کے پچھے ہوئے کوتار پر ابھی تک شراب کے خال ڈرم، بیت کی بوڑیاں
اور گھر بلو فرنچ بھرا پڑا تھا..... لیکن کہیں کہیں خون کے دھنے تھے سو کھے ہوتے، جیسے کی
بڑھیا کے لپٹک زدہ ہڈنٹل پر پڑیاں اُبھرتی ہیں۔ یہاں بیری کیڈ تھا۔ البسین کے
باشیوں نے کئی روز تک فراکر کی تاہرا فواج کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ دہ پرے غزناطے
کٹ کر استقامت کا ایک ہزیرہ بن گئے۔ ناشٹوں نے دریائے حدرہ میں سے سانس
لینے والے پانی کے پاس پ کاٹ دیئے تھے اور جب متعدد پتھل کے پیاسے مر جانے کے
باد جو دامنوں نے ہتھیارہ ڈالے تو البسین پر ہماری جہازوں سے بہ برسائے گئے۔ بیری کیڈ
لہا تو اس کے سامنے ہی گھوڑوں کی سفیدی کی ہڈی چکتی دیواروں پر مکھیوں کے خون اور
گوشت کے چھپڑے یوں برسے کہ ان کے گھرے، ہلکے اور شوخ زنگوں کی تصویریں اُبھر
آئیں۔ جنہیں آنے والی نسلوں نے مٹانے کی کوشش کی..... ان پر تلمی کی کٹی پوچھے
پیرے مگر ان کے زنگ اور گھرے۔ ہزیرہ شوخ ہوتے چلے گئے۔ الحوا کے بڑے جوں تھے زندہ
کے میونپل قبرستان میں روزانہ سینکڑوں افراد آنادی سے سانس لینے کی خاہش کیا پاڑی
میں اپنے جسم میں داخل ہونے والے یہیں کے دو جگہ سے سرخنگوں ہوتے رہے۔ شہر سے چند
بیل کے ناصطے پر عرب عہد کے ایک پُر فضنا تالاب کے کنارے بھی ناشٹوں نے
آزاد خون کو مجدر کیا اور محپراؤ سے ایک اجتماعی قبر میں بلڈوزروں سے دھکیل دیا۔ ان کی
سینکڑوں لاشوں میں گارسیا لور کا مردہ جسم بھی تھا۔ بلڈوز کے سر دبلڈی لور کا کے مرد ترجم
میں کھینے پر بھی نہ جان سکے کہ یہ ایک شاعر کا بدن ہے کہ اس کے مرنے پر سوگو اروں نے کہا تھا
کہ اسیا لوگا مر گیا۔ اب غزناطے بغیر دل کے ہے۔

لارنزو کی سیاہ درجہ ایم ہری سکرٹی آنھوں کے سامنے اُس کا مدد ابیں تائیے سے مند
ہیں دیکھے ہوئے ایک جزیرے سے کی ماندا ہستہ آہستہ جھبل رہا تھا..... تند موڑش حربیاں
سنان پڑی تھیں اور ان کے خاموش فرازوں کے موکھے ہوتے تالابیں میں بچوں کی لاشیں
منہ کھوئے دھوپ میں اکڑ رہی تھیں مکافن کے دروازے کھلتے تھے اور بھینوں کے پھٹے ہوتے
جسم چکشوں پر اندھے پڑتے تھے یہ کھلی ہوئی نالیوں کی پیاس کے لیے گاڑھا خون ناکافی
تھا کہ مکافن میں سے نکلتے ہی وہ شرخ چھپڑوں میں بدل چکا تھا۔ ہر سو خاموشی تھی جب
مقدس پہاڑی پر کلیسا کا گھٹریاں قلعت کی خوشی میں جھبل رہا تھا اور اُس کی گونج ابیں
کی نعمتوں میں بھوکے گھوکی طرح تیر دھی تھی۔

لارنزو کی لاش کی روز تک مقدس پہاڑی کی چٹی پر گڑی صلیب سے جولتی رہی۔

لارنزو کو ہسپاڈی خانہ جگلی سے کوئی سر و کار نہ تھا۔ اُسے نقوٹی سے کوئی
خاص انس تھا اور نہ ہی وہ فرانکو کے باسے میں اچھے یا پُرے جذبات رکتا تھا اُسے تو
نیشنست اور ری پبلیکن کے الفاظ ادا کرنے میں بھی دشواری پیش آئی تھی وہ سیدادا
خاتہ بدھن تھا۔ عوسم گرامیں ملک کے طبل و عرض میں منعقد ہونے والی گھوڑوں کی منڈیوں میں
جاکر دہقانوں کو عمدہ نسل کے گھوڑے خریدنے میں مدد دیتا۔ مشوروں کی فیض وصول کرتا
اوہ خرصنست کے لمحات میں اہنی دہقانوں کی جیبیں کاشتا۔ سردویں ٹیکیا وہ اپنے مخفر غار
میں بیٹھ کر بے تکشاوی میوپتیا اور شام کو اپنی بیوی اور بیٹی کو عصمت فروشی کے لیے بھج کر
خود مزید ویز پڑا اور بالآخر مہوش ہو کر سورتتا۔ کھٹک کو تو اُس کے ہاں دن بچوں نے
بھرم لیا مگر وہ ہر پتھر کی سپائیں پراس کا ناک نقش دیکھ کر پھٹے اطمینان کر لینا کہ ذمہ دادی
کا ہے۔ اگر خدو خال میں اُس کی سیاہ آنکھوں اور بخوبی ذکر ایسی ناک کا کوئی شائیہ نظر نہ تھا
لہو۔ اُسے بلا تکلف کسی خاتہ بدھن کو تحفہ دے دیتا..... رُج کے جیبیں کاشتے کے لیے
موردن بختے اور رُج کیا خالہ رہے عصمت فروشی کے لیے..... یوں اس کے پاس اس
چھان پٹک کے بعد صرف دو بیٹے آر لارڈ اور آندریں اور ایک بیٹی آئے۔ لاپچی تھی خانہ جو شہر
میں اُس کی شرافت کا چرچا تھا کہ وہ بچوں کو اعزا کرنے کا بے حد خالف تھا اور جوانی کے

اہدیان ایام کے سوا اس نے آج بھک کھی کو قتل نہیں کیا تھا..... زندگی بے حد پر سکون انہوں کو جاتی تھی مگر ایک روز جب وہ اپنے غار میں دیز کے نشیں میں دھست لیٹا گتا پر فلینکو کی دھن بے حد اور پٹانگ طریقے سے بخارا تھا۔ اسے محمود ہوا کہ اس دھن کے پس منتظر ہیں کافی ہوئے ہوئے پٹانے چھوڑ دیا ہے۔ پہلے تو وہ اسے خارا کو روز ہن میں کھلانے خون کا کرشمہ بھاگ رہ جب آوازیں بلند ہوتی چلی گئیں تو وہ گتار کی میک لگا کر اٹھا اور راٹھٹرا تما ہوا ہر آگیا تیر دھوپ اس کی سرخ انکھوں میں باندرا یا کی برصیوں کی طرح گھب گئی البیں کے چند مکالوں کی سفید دیواریں کو دھواؤ چاٹ رہا تھا۔ گولیوں کی آواز بھی اور ہر سے ہی تیرنی اُرہی تھی۔ وہ غصے میں پڑیتا ناہو اغار میں واپس آگیا اور کچھ فرش پر اونڈھائیٹ کر خلک سوچتا ہوا اونٹھنے لگا۔ اُس کے دونوں بیٹھے جو نزدیکی قبیلے لوثر میں ہرنے والے ایک گھوڑوں کے میلے میں گئے ہوئے تھے۔ شام کو رُتے تو ان کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ ”پاپا غزناط میں فراکو کے فوجی داخل ہو گئے ہیں۔ بیسمیں کے باسیوں نے شارع چاپنیزہ بیری کیڈ کھلا کر کے اُن کا مقابلہ شروع کر دیا ہے..... ہم بڑی شکل سے یہاں نکل پہنچے ہیں۔“ لارز زون سریں پیٹھے درد کے گرم رینیوں کو مانتے پر چپت لگا کر ٹھڈلا کرنے کی کوشش کی اور بیزاری سے بولا۔ ”یہ سپاٹیوں کی آپس کی لڑائی ہے ہم خاد بدبوشوں کا اس سے کیا ٹھیک؟“ جتنے زیادہ مری اُتنا ہی بہتر ہے۔ لا شمل کی جیسیں کاٹنا بنتا آسان کام ہے۔“

حقوقی دیر بعد اسے لاغر میں داخل ہوئی تو وہ بھی پختے ہوئے کپڑے کی طرح سفید اور سلوٹوں سے بھر پور رہتی۔ ”دیکھو پاپا انکھوں نے میرے کپڑے بھی چھاڑ دیئے۔ حالانکہ اگر وہ شرافت سے پیش آتے تو وہ چاروں جیوں کے ساتھ ہبستری کرنے سے میری چھاتیاں کو نسی چھوٹی ہو جانی تھیں؟“

لارز زد کو رہ رہ کر بیسمیں کے باسیوں پر غصہ رہا تھا کہ یقینی شکست کا سامنا کرنے کے باوجود وہ اتنی ڈھنائی سے بیری کیڈ کا دفاع کیوں کر رہے تھے اور یوں وہ سارا دن غار کی تنہائی میں شراب سے نطفت انہوں نے کی بھائی کے کڑوے سے سگریٹ چھوڑتا رہتا کرتا۔ اپنے خانہ نے خانہ جنگی شروع ہونے کے بعد غالباً سے نکلا چھوڑ دیا تھا۔

ایک دو زدہ ننگ اگر پتے پر شو فارمیں سے باہر نکلا اور البسین کے گھی کوچل میں بیٹھا
گھومنے لگا۔ چند روز پیشتر کے سچنے چلاتے، پر ہجوم اور زندہ البسین کی بحاجتے اس کے سامنے^۱
ایک مردہ محلے کے تالے سخنے سعف کبھی کھجارت کسی بچے کے روشنے کی گھٹنی گھٹنی آواز آتی
اور بندہ ہو جاتی جیسے کسی نے منہ پر اپنے کا پتھر رکھ دیا ہو۔ دیران کے علاوہ اُسے جس چیز
نے سیرت زدہ کیا وہ سُو کھے ہوتے فراہمے اور خشک نالیاں تھیں جو عربیں کے زمانے سے
آج تک کبھی خشک نہیں ہوئی تھیں۔

”پانی کیوں نہیں چل رہا؟“ اُس نے سوچا اور گندھے اُچکا کر واپس فارمی جانب
چل دیا۔

”پانی کیوں نہیں چل رہا؟“ اُس نے بے دھیان میں چست کی طرف دیکھا جس کے
ساتھ اُس کا شراب کا مشکرہ لکھ رہا تھا۔

”اُنھوں نے بند کر دیا ہے۔“ اُر لارڈ نے آہستہ سے کہا۔

”تم لوگ کیا پیتے ہو؟“ اُس نے مشکرہ اٹا کر ایک طویل گھونٹ بھرا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ ان سب نے بے دلی سے جواب دیا۔

”پچھلے کمی رو نے سے پانی بنتا ہے۔ فوجیوں نے حد رہ سے پانی کی پیچنے والے پاس پکاٹ
دیتے ہیں۔“ آمر دیں نے دانت کچھا تھے ہوتے کہا۔ البسین کے رہنے والے پیاسے ہیں
وہ اپنے باخون میں سے پوچھے اگھا تو کر ان کی جڑیں جوں رہتے ہیں۔ سیری کیڈ پر لڑتے
والکے نیم۔ سیموشی کے عالم میں ہیں۔ وور توں کی چاتیاں شوکھ گئی ہیں۔ پچھل کی زبانیں ان
کے منہ سے باہر لکھ رہی ہیں۔ مُردہ سانپوں کی طرح۔“

”پچھل کی زبانیں؟“ لا رنزو بکھلا گیا۔ لیکن یہ تو ظلم ہے۔ ان کو تو پانی دینا چاہیئے۔
پچھے نیشنل سٹ یا پیپلکن نہیں ہوتے..... وہ تو صرف.....“

”ہمارا دماغ کیوں چاٹتے ہو، فرما کو سے جا کر پھوڑو۔“ اُس کی ہیوی چینی حکم اذکر جنتکے
تمہارے شراب کے درجن بھر مشکرے خالی نہیں ہو جاتے۔ تم پیاسے نہیں مر دیگے۔“

”لیکن یہ تو ظلم ہے۔..... لا رنزو اکمل سے پھولتی زبان بار بار میں پر پھر کرڈیتا رہا۔“

اس روز لارنڈنے دو خالی مشکینے کا نہ ہے پر کسکے اور مقدم پہلوی پر لگے ہوتے
خوبہ اور ناگ پھنسی کے پر دون تلے پوشیدہ اُس قدم غار میں اُترا جس کا علم پوسٹ مفناط
میں صرف اُسے ہی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موردن کے زمانے میں متعدد زیرزمیں ناسے ابیں کو
دربا کے پار الحمرا کے سرخ ایوان سے ملا تے تھے صدیوں کا بوجہ ان خفیہ راستوں پر
بھی پڑا، اور اُجھستہ آہستہ ان کے خالی پیٹ مٹی سے بھر گئے۔ عالم فوجیزی میں جب
لارنڈنے لپنے ایک رقیب کو جنم میں مجین گھاڑ کر اُسی کے دردناکے پر مصلوب کیا تھا تو
یمن الفاق تھا کہ کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ایک ایسے راستے کو دیانت کرنے میں
کامیاب ہرگیا تھا۔ یہ زمین و نرداستہ اگرچہ بے حد مخدوش حالت میں تھا مگر لارنڈنے کا
لچکیلا جسم اس میں سے ایک سیاہ ناگ کی طرح ریگتابل کھاتا تا دیائے حدود تک پنج
جانا۔ وہ کئی ماہ تک اس سرگنگ میں روپوش رہا۔ بعد میں یخنی پناہ گاہ اس کی محروم بن
گئی۔ بیوی سے ڈانٹ پڑتی تو وہ چپ چاپ اُس میں اُتر کر پھر وہ کلا حصہ رہتا جس میں
کے استغلال کے لیے اُس نے بھی جگہ مخصوص کر کر کی تھی کبھی کبھارہ تھاںی کا خواہ نہ
ہوتا ز شراب کا مشکینہ کندھے پر ڈال کر اُس میں غائب ہو جاتا۔ مگر اس شب اس کے
کندھے پر صرف خالی مشکینے تھے۔

رات گئے جب لارنڈا پنے غار میں دالپس آیا تو اُس کا فم اُرود جسم مٹی سے یوں
لہڑا ہوا تھا جیسے وہ قبر میں سے نکل کر آیا ہے۔ اس نے مشکینوں کو کا نہ ہے سے اتنا را
اور زمین پر لیٹ گیا۔ آرزو!..... تم سب لوگ ایک ایک گھونٹ بھر لو..... بیٹھ
خانہ بدوش ہپاؤوں کی نسبت زیادہ سخت جان واقع ہوتے ہیں..... باقی پانی ابین
میں لے جاؤ اور پیاس سے بچوں کے حلن ترکر دو کر بچے نیشنٹ یاری پیکن نہیں سنتے۔
لگئے کئی روز تک لارنڈ کا یہی معقول رہا..... اور بالآخر نتنا جملے کی تاب ملا تے
ہر سے بیری کیٹ ٹوٹ گیا۔ فراں کو کے فوجی الیں میں داخل ہو گئے۔

غار سے نکلنے سے پیشہ اُس کے تینوں بچوں نے ایک مرتبہ پھر اس کی منت کی.....
پاپا وہ مصب مقل کر رہے ہیں..... ہم سیر انوادا کی پہلویوں میں روپوش ہونے کے لیے

جاء ہے میں تمھی ساختہ چلو..... پاپا یا ”

لامزد کی الکھل سے چھولی ہوئی زبان بیشکل صرکت میں آئی فلم بزدل ہو..... وہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے یہ سالزیوں کی آپس کی لڑائی ہے ہم خانہ بعدنوں کا اس سے کیا تعلق؟“
لامزد کو ملٹری ٹرینیٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔

”یہ شخص بیری کیڈ پر اٹنے والے کیتوں کو پانی سپلانی کرتا رہا ہے“
لامزد کی لاش کمی روز تک مقدس پہاڑی کی چٹی پر گردی صلیبے جو لوگی رہی۔

بیرزاد اپہاڑیوں کی پتھری عافیت میں اُتر کر ان تینوں نے پیچھے مل کر دیکھا۔
منفس پہاڑی کے سفید سرم پوکڑی صلیب سے لکھتا ہیوں ایک پتنے کی طرح دھانی فے رہا تھا۔
ہسپانیہ ایک دین علک ہے۔ صحرا و مصتوں، برف پوش پہاڑوں اور گرداؤ دیواریں
کا ملک۔ ان تینوں نے ان تینوں جغرافیاً حال تدوین میں کئی روز تک روپاشی کا سفر کیا۔

ایک پتی ہوئی جلسائیں والی دوپر نے اپنی دیباۓ حدرہ کے کنارے آباد تھیں
قیصے ثوریا میں دیکھا۔ دریا کا حنک پانی ان کے جھلے ہٹتے نیم ساہ بدنوں میں جذب ہوا تو
انھل نے اپنے گرد نگاہ ڈالی پیسے سے پختہ ایک خاموش ہجوم مقامی بل زنگ کی
جانب تدم گھبیٹ رہا تھا۔ قہقہنیں ان گرم جموں کے الاؤ میں گھم ہو گئے۔

کھنڈنابل زنگ کا نصف حصہ سائے میں ستارہ رہا تھا اور رقبی نصف حصے کو دھپ
کے جلتے لب چوس سے ہے بھتے اکھڑے کے دریاں میں ایک سیاہ بل کا بھاری بھرک دھبلہ
رہا تھا..... اور اس کا کمر تھیدہ مالکت فضایں چھوٹے شور چار رہا تھا۔ آئیے اور اس
براد تیوبن کے ساتھ دو دو رہ کیجئے۔ پائیخ منٹ کے کھیل کے لیے صرف دس پیستے۔
دیہاتی نوجوان لیجیدہ پتلوں میں اُڑتے، ہزوں سے اپنے جنگل گھاس بالل پر را تھپتی
اکھڑے میں داخل ہوتے اور وہ پیستے مالک کی رالیں پیکاتی، ہتھیل پر رکھ کر پائیخ منٹ
کے لئے بل کے آگے جسچے ہو پہنچ کر کے دوڑتے، اپنی بھادری جاگرا پتے ہوئے وہ اپنی
نشستوں پر آبیستے۔ پلے لڑکے آر تو رو نے سیاہ آنھیں تیچ کر بل کو غرستے دیکھا۔ آندھیں!